عطار ہو، رومی ہو، رازی ہو، غزالی ہو
کچھ ہاتھ نہیں آتا بے آہ سحر گاہی!!

ادارہ اشرفیہ عزیزیہ کا ترجمان

ماہنامہ غزالی

جمادی الاوّل ۱۴۲۴ھ / جولائی ۲۰۰۳ء

فہرست

عنوان	صاحب مضمون	صفحہ نمبر
تذکرہ حضرت شاہ عبدلعزیز دعاجوؒ	حضرت ڈاکٹر فدا محمد مدظلہٗ	٣
تفسیر شریعت وطریقت وحقیقت ومعرفت	انجنیئر نجیب الدّین	۴
اصلاحی مجلس	حضرت ڈاکٹر فدا محمد مدظلہٗ	۷
زندگی کے نفسیاتی مؤثرات	جناب قاضی فضل واحد	١٦
آں مسلماناں کہ میری کردہ اند	ماخوذ از تاریخ دعوت وعزیمت	٢٨
موت العالِم موت العالَم	حضرت ڈاکٹر فدا محمد مدظلہٗ	٣١

فی شمارہ: ١۵ روپے

سالانہ بدل اشتراک: ١۴٠ روپے + ڈاک خرچ

خط وکتابت کا پتہ: مکان P-12 یونیورسٹی کیمپس پشاور۔

حضرت ڈاکٹر فدا محمد

تذکرہ حضرت شاہ عبدالعزیز دعاجوؒ

شاہ عبدالعزیز دعاجو دہلویؒ ہمارے شیخ و مربی حضرت مولانا اشرف صاحبؒ کے شیخ تھے۔موصوف حضرت شاہ یٰسین نگینویؒ کے خلیفہ تھے جن کو حضرت رشید احمد گنگوہیؒ سے خلافت حاصل تھی۔حضرت شاہ عبدالعزیزؒ بہ ہمہ صفات موصوف شخصیت تھے،سخاوت اور مستجاب الدعوات ہونا ان کی خاص خصوصیات تھیں۔سلسلہ والوں میں ان کی یہ خصوصیات زبان زد خاص وعام تھیں اور اس سلسلہ کے کئی واقعات گزرے ہوئے ہیں۔

حضرت مولانا اشرف صاحبؒ نے سنایا کہ وہ ایک دفعہ حضرت کے ہمسفر تھے، بھائی افضل بھی ساتھ تھے۔کپڑے تبدیل کرنے کے دوران افضل صاحب کو ازار بند کی ضرورت پڑی۔انھوں نے کہا ''شاہ صاحب ازار بند مل سکتا ہے؟'' شاہ صاحب نے فوراً اپنا ازار بند شلوار سے نکال کردے دیا اور شلوار کو ایسے ہی باندھ لیا یہاں تک کہ بعد میں اپنے لیے متبادل کپڑوں کا بندبست کیا۔

علاؤالدّین صاحب انسٹرکٹر پولی ٹیکنیک انسٹیٹیوٹ سندھ سناتے ہیں کہ ایک دفعہ ایک طالبعلم شاہ صاحب سے ملنے آیا۔وہ بہت اداس تھا۔شاہ صاحب نے اداسی کی وجہ پوچھی تو اس نے بتایا کہ بی۔اے کا امتحان دیا تھا پاس تو ہوگیا ہے لیکن نمبر 50% سے کم آئے ہیں اس لیے تھرڈ ڈویژن آئی ہے۔شاہ صاحب نے دعا فرمائی کہ اللہ تعالیٰ تیری ڈویژن کو سیکنڈ کردے۔اسی سال قانون بدلا اور بجائے 50% کے 45% پر سیکنڈ ڈویژن شمار ہونا شروع ہوگئی اس طرح اُس برخوردار کی تھرڈ ڈویژن سیکنڈ میں بدل گئی۔

نسیم صاحب گوجرانوالہ سے چاول کے تاجر ہیں،انھوں نے بندہ کو سنایا کہ فصل کے موقع پر کاروبار کے لیے چاولوں کی خریداری کی۔اچانک ریٹ کم ہوکر قیمت خرید سے بھی نیچے گر گیا۔غمگین و اداس ہوکر سیدھے شاہ صاحب کے پاس چلے گئے،شاہ صاحب نے کچھ دن اپنے پاس ہی ٹھہرا لیا۔چند دن بعد واپسی کی اجازت دی۔کہتے ہیں میں جب واپس آیا تو ریٹ

بڑھ گیا تھا اور اللہ کے فضل سے نفع ہوا۔

بندہ کی ٹنڈو آدم حاضری ہوئی۔ وہاں کے مقامی ساتھیوں نے بتایا کہ شاہ صاحب نے تبلیغی مرکز اور مدرسہ بنانے کے لیے ایک متروکہ اراضی خریدی۔ خریداری کے بعد کسی نے شاہ صاحب کو بتایا کہ اس اراضی کے انتقال میں خالی زمین کے ساتھ ایک مکان بھی ہے جس پر بلا اجازت قبضہ کر کے کوئی رہ رہا ہے۔ تفصیل معلوم کرنے پر بات درست ثابت ہوئی، مکان کا قبضہ واپس کر کے جب مکان کو بیچا گیا تو پلاٹ کی قیمت نکل آئی۔

☆☆☆☆☆

تفسیر شریعت وطریقت ومعرفت وحقیقت

انجینئر نجیب الدین

شریعت نام ہے مجموعہ احکام تکلیفیہ کا، اس میں اعمال ظاہری و باطنی سب آگئے اور متقدمین کی اصطلاح میں لفظ ''فقہ'' کو اس کا مرادف سمجھتے ہیں۔ جیسے امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے فقہ کی یہ تعریف منقول ہے ''معرفۃ النفس مالھا و ماعلیھا'' پھر متاخرین کی اصطلاح میں شریعت کے جزو متعلق بہ اعمال ظاہرہ کا نام فقہ ہوگیا اور دوسرے جزو متعلق بہ اعمال باطنہ کا نام تصوف ہوگیا۔

ان باطنی اعمال کو طریقت کہتے ہیں۔ پھر ان اعمالِ باطن کی درستی سے قلب میں جو جلا و صفا پیدا ہوتا ہے اس سے قلب پر بعض حقائق کونیہ (کائنات کی حقیقتیں اور اس میں ہونے والے فیصلے) متعلقہ اعیان واعراض (عالم بالا وملائکہ وغیرہ) بالخصوص اعمال حسنہ وسیئہ، وحقائق الٰہیہ وفعلیہ بالخصوص معاملات فیما بین اللہ وبین العبد منکشف ہوتے ہیں، ان مکشوفات کو ''حقیقت'' کہتے ہیں اور انکشاف کو ''معرفت'' کہتے ہیں اور صاحب انکشاف کو محقق اور عارف کہتے ہیں۔

پس یہ سب امور متعلق شریعت کے ہی ہیں اور عوام میں جو یہ شائع ہوگیا ہے کہ شریعت صرف جزو متعلق بہ احکام ظاہرہ کو کہنے لگے ہیں یہ اصطلاح کسی اہل علم سے منقول نہیں

اور عوام سے اس کا منشاء بھی صحیح نہیں کہ وہ اعتقادِ تنافی (مخالفت) ہے ظاہر اور باطن میں۔

خلاصہ سلوک:

(۱) نہ اس میں کشف کرامت ضروری ہے (۲) نہ قیامت میں بخشوانے کی ذمہ داری ہے (۳) نہ دنیا کی کاربرآری کا وعدہ ہے کہ تعویذ گنڈوں سے کام بن جاویں یا مقدمات دعا سے فتح ہو جایا کریں یا روزگار میں ترقی ہو یا جھاڑ پھونک سے بیماری جاتی رہے یا ہونے والی بات بتلا دی جایا کرے (۴) نہ تصرفات لازم ہیں کہ پیر کی توجہ سے مرید کی از خود اصلاح ہو جاوے۔ اس کو گناہ کا خیال بھی نہ آوے۔ خود بخود عبادت کے کام ہوتے رہیں، مرید کو زیادہ ارادہ بھی نہ کرنا پڑے، یا علم دین و قرآن میں ذہن و حافظہ بڑھ جاوے۔ (۵) نہ ایسی باطنی کیفیات پیدا ہونے کی کوئی میعاد ہے کہ ہر وقت یا عبادت کے وقت لذت سے سرشار رہے، عبادت میں خطرات (وسوسے) ہی نہ آویں، خوب رونا آوے، ایسی محویت ہو جائے کہ اپنے پرائے کی خبر نہ رہے۔ (۶) نہ ذکر و شغل میں انوار وغیرہ کا نظر آنا یا کسی آواز کا سنائی دینا ضرور ہے (۷) نہ عمدہ عمدہ خوابوں کا نظر آنا یا الہامات کا صحیح ہونا لازم ہے۔

بلکہ اصل مقصود حق تعالیٰ کا راضی کرنا ہے جس کا ذریعہ شریعت کے حکموں پر پورے طور سے چلنا ہے۔ ان حکموں میں سے بعض ظاہر کے متعلق ہیں جیسے نماز، روزہ، حج و زکوۃ وغیرہ اور جیسے نکاح و طلاق و ادائے حقوق زوجین و قسم و کفارہ وغیرہ اور جیسے لین دین و پیروی مقدمات و شہادت و وصیت و تقسیم ترکہ وغیرہ اور جیسے سلام و کلام و طعام و منام و قعود و قیام و مہمانی و میزبانی وغیرہ۔ ان مسائل کو علم فقہ کہتے ہیں۔ اور بعضے متعلق باطن کے ہیں جیسے خدا سے محبت رکھنا، خدا سے ڈرنا، خدا کو یاد کرنا، دنیا سے محبت کم کرنا، خدا کی مشیت پر راضی رہنا، کسی کو حقیر نہ سمجھنا، حرص نہ کرنا، عبادت میں دل کا حاضر رکھنا، دین کے کاموں کو اخلاص سے کرنا، کسی کو حقیر نہ سمجھنا، خود پسندی نہ ہونا، غصہ کو ضبط کرنا وغیرہ۔ ان اخلاق کو سلوک کہتے ہیں۔ اور مثل احکام ظاہری کے احکام باطنی پر عمل کرنا فرض و واجب ہے۔ نیز ان باطنی خرابیوں سے اکثر ظاہری اعمال میں بھی

خرابی آجاتی ہے۔ جیسے قلت محبت حق سے نماز میں سستی ہوگئی یا جلدی جلدی بلا تعدیل ارکان پڑھ لی، یا بخل سے زکوٰۃ اور حج کی ہمت نہ ہوئی، یا کبر و غلبہ غضب سے کسی پر ظلم ہوگیا، حقوق تلف ہوگئے و مثل ذالک۔ اور اگر ان ظاہری اعمال میں احتیاط کی بھی جاوے تب بھی جب تک نفس کی اصلاح نہیں ہوتی وہ احتیاط چندروز سے زیادہ نہیں چلتی۔ پس نفس کی اصلاح ان دو سبب سے ضروری ٹھہری۔ لیکن یہ باطنی خرابیاں ذرا سمجھ میں کم ہی آتی ہیں اور جو سمجھ میں آتی ہیں ان کی درستی کا طریقہ کم ہی معلوم ہوتا ہے، نفس کی کشاکشی سے اس پر عمل مشکل ہوتا ہے۔ ان ضرورتوں سے پیر کامل کو تجویز کیا جاتا ہے کہ وہ ان باتوں کو سمجھ کر آگاہ کرتا ہے اور ان علاج و تدبیر بھی بتلاتا ہے اور نفس کے اندر درستی کی استعداد اور ان معالجات میں سہولت اور تدبیرات میں قوت پیدا ہونے کے لیے کچھ اذکار و اشغال کی تعلیم بھی کرتا ہے اور خود ذکر اپنی ذات میں بھی عبادت ہے۔ پس سالک کو دو کام کرنے پڑتے ہیں ایک ضروری کہ احکام شرعیہ ظاہری و باطنی کی پابندی ہے۔ دوسرا مستحب کہ کثرت ذکر ہے۔ اس پابندی احکام سے اللہ تعالیٰ کی رضا اور کثرت ذکر سے زیارت و رضا و قرب حاصل ہوتا ہے۔ یہ ہے خلاصہ سلوک کے طریق اور مقصود کا۔

(بحوالہ تربیت السالک)

☆☆☆☆☆

بقیہ صفحہ نمبر ۳۲ سے:

دوسرے مورچے پر بمباری ہوئی تو حافظ زکریا صاحب کی آنکھ اور بازو شہید ہوا۔ فرمانے لگے کہ اسی رات زکریا صاحب کو جناب فخر موجودات سردار کونین صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہوئی تھی اور جو بازو شہید ہوا ہے اسی کو حضور نے پکڑتے ہوئے ارشاد فرمایا تھا کہ "یہی کامیابی کا راستہ ہے۔

اللہ تبارک و تعالیٰ جناب عبدالحئی صاحب، حضرت کے اہل خانہ اور دیگر پسماندگان کو صبر جمیل اور اجر جزیل عطا فرمائے، اور حضرت کے درجات کو انتہائی بلند فرمائے۔

حضرت ڈاکٹر فدا محمد مدظلہٗ

اصلاحی مجلس

وَ اَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّہٖ وَ نَہَی النَّفْسَ عَنِ الْھَوٰی o فَاِنَّ الْجَنَّۃَ ھِیَ الْمَاْوٰی o(النّٰزعٰت. ۴۰، ۴۱)

ترجمہ: اور جو کوئی ڈرا اپنے رب کے سامنے کھڑے ہونے سے اور روکا اس نے جی کو خواہش سے۔ سو بہشت ہی ہے اس کا ٹھکانا۔

یَوْمَ لَا یَنْفَعُ مَالٌ وَّ لَا بَنُوْنَ o اِلَّا مَنْ اَتَی اللّٰہَ بِقَلْبٍ سَلِیْمٍ o

جس دن نہ کام آئے کوئی مال اور نہ بیٹے مگر جو کوئی آیا اللہ کے پاس لے کر دل چنگا۔ (الشعراء۔۸۸،۸۹)

اللہ تبارک وتعالیٰ نے قرآن میں جہاں انسان کو ظاہری اعمال کا حکم دیا ہے وہاں اس کے ساتھ اس بات کا بھی حکم دیا گیا ہے کہ ظاہر کے ساتھ اپنے باطن کو بھی درست کرو۔ جب تک انسان کا باطن درست نہ ہو جائے اس وقت تک اس کے ظاہری اعمال تاثیر نہیں دکھاتے۔ گو اعمال آدمی کر رہا ہوتا ہے لیکن ان اعمال کی برکتیں اور تاثیریں اس کو حاصل نہیں ہوتیں۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اعمال میں اتنی قوت رکھی ہے کہ جو پہاڑوں، ہوا اور پانی میں نہیں ہے، اسلحہ اور ایٹم بموں میں نہیں ہے۔ لیکن وہ قوت تب آدمی کو حاصل ہوتی ہے جب آدمی کو وہ عمل اپنی ظاہری اور باطنی حقیقت کے ساتھ حاصل ہو جائے۔

شبیر کاکاخیل صاحب ہمارے ایک دوست ہیں جو اٹامک انرجی کمیشن میں ہوتے ہیں۔ ایک دن میں نے ان سے (جب ایٹم بم نہیں بنا تھا) کہا کہ اتنا عرصہ آپ لوگوں نے کام کیا ابھی تک آپ کو ایٹم بم بنانا نہ آیا۔ تو انھوں نے جواب میں مجھ سے کہا کہ آپ کو ولی بننے کا طریقہ نہیں آتا؟ میں نے کہا کہ آتا تو ہے۔ اس پر انھوں نے کہا کہ ولی بننے کا طریقہ اگر آتا ہے تو آپ ولی بنے کیوں نہیں ہیں۔ تو میں نے جواب دیا کہ صرف طریقہ آنے پر تو نہیں ہوتا، اس طریقہ پر جب آدمی عمل کرتا ہے، محنت اور کوشش کرتا ہے اور اس طریقے میں جو معیار ہے اس کو آدمی حاصل

کرتا ہے تو تب ولی بنتا ہے۔اس پر ان صاحب نے جواب دیا کہ ایٹم بم بنانے کا طریقہ تو ہم کو بھی آتا ہے لیکن اس کے مطابق جو چیزیں حاصل کرنی ہوتی ہیں ان کے لیے ہم لگے ہوئے ہیں۔جب وہ چیزیں ہمیں حاصل ہو جائیں گی جن میں سے کسی کے لیے ایک سال کی کوشش ہوتی ہے کسی کے لیے چھ مہینے کی اور کسی کے لیے دوسال کی تو تب ایٹم بم بنے گا۔تو میں نے سوچا کہ واقعی ایک بات کو صرف جان لینا کافی نہیں۔مثلاً میں نے آپ کو کہہ دیا کہ آدمی اگر تل کاشت کرے تو ایک کنال سے ۲۵۰۰۰ کی آمدنی ہوسکتی ہے۔اب میں نے تو ایک بات کہہ دی، لیکن آدمی اس کے مطابق پوچھتا ہے کہ تخم کہاں سے ملتا ہے، کتنی زمین کھودنی ہوتی ہے، اس میں کیا کیا چیزیں ڈالنی ہوتی ہیں، موسم کونسا ہے؟ ساری شرطیں اور ترتیبیں معلوم کرنے کے بعد آدمی اس کو کاشت کرتا ہے۔پھر اس کی نگرانی کرتا ہے۔پھر جب چھ ماہ کی محنت ہوتی ہے تو تب فصل حاصل ہوتی ہے، اور فائدہ اور حقیقت ملتی ہے۔ایسے ہی مختلف چیزوں کے فوائد تو ہیں مگر ان کے حاصل کرنے کے لیے ان کے ساتھ محنتیں بھی ہیں، جب وہ محنتیں مکمل ہو جاتی ہیں تو تب وہ فوائد حاصل ہوتے ہیں۔

اس زمین پر اللہ تعالیٰ نے سب سے زیادہ فوائد کا وعدہ سونے چاندی، ہیرے جواہرات، مال جائیداد والوں کے ساتھ نہیں کیا۔ بلکہ سب سے زیادہ فوائد حاصل ہونے، زندگی بننے اور کامیابی ملنے کا وعدہ اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام سے کیا ہے۔

اِنَّا لَنَنۡصُرُ رُسُلَنَا وَالَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا فِی الۡحَیٰوۃِ الدُّنۡیَا وَ یوم یقوم الشھادہ ۝

ترجمہ: ہم مدد کرتے ہیں اپنے رسولوں کی اور ایمان والوں کی دنیا کی زندگانی میں اور جب کھڑے ہوں گے گواہ۔(المؤمن۔۵۱)

اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کی ایسی مدد کی ہے اور ان کی ایسی زندگی بنائی ہے کہ اگر زمین پر پھریں اور ریکارڈ اور کتابوں کو دیکھیں تو اندازہ ہوگا کہ دنیا کے لحاظ سے بھی زمین کے وسائل کا فائدہ انبیاء علیہم السلام کے ساتھیوں نے زیادہ لیا ہے۔حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم

نے مکہ معظّمہ میں دعوت دی کہ لا الہ الا اللہ کہہ دو کامیاب ہو جاؤ گے، میری بات مانو، نماز پڑھو، روزہ رکھو، زکوٰۃ دو، حج ادا کرو، مہربانی کرو، اخلاص برتو، اپنے اعمال کو درست کرو تو کامیاب ہو جاؤ گے۔

کفار اپنی مجالس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کی ان باتوں کا مذاق اڑاتے تھے۔کہ لا الہ الا اللہ کہنے سے کامیاب ہو جائیں گے۔آپ ﷺ کے چچا تھے ابو طالب ان سے کسی نے کہا کہ آپ اسلام قبول کرلیں، تو انھوں نے کہا کہ میں اسلام تو قبول کرلوں مگر مجھے وہ دین اچھا معلوم نہیں ہوتا جس میں سر تو آدمی نیچے رکھے اور سرین کو اوپر کرے، (یعنی نماز میں سجدہ کرنا پڑے)۔تو ان کے نزدیک نماز کا بس اتنا ہی مطلب تھا۔شروع کے لوگ جو اسلام قبول کررہے تھے مار پٹائی اور فاقے کے ایسے مشکل حالات تھے کہ خلاصی کی کوئی صورت ہی نظر نہیں آتی تھی۔ایک خاندان ہے حضرت عمار بن یاسرؓ کا، ان کے باپ حضرت یاسرؓ اور ماں سمیہؓ، تین غلاموں کا خاندان ہے انھوں نے اسلام قبول کرلیا۔اب ابوجہل عتبہ اور شیبہ وغیرہ جو سردار تھے ان کو پکڑ کر مارتے یہاں تک کہ ان کو مارتے مارتے تھک جاتے۔مکہ مکرمہ میں اس وقت بھی یہ حکم تھا کہ اس شہر میں کسی کو مارا پیٹا اور تنگ نہیں کیا جائے گا، قتل نہیں کیا جائے گا۔حدود حرم کے اندر کفار اپنے باپ بھائی کے قاتل پر بھی ہاتھ نہیں اٹھاتے تھے یہاں تک کہ وہ باہر نکل جائے۔ایسے کمزوری کے حالات تھے کہ حضور ﷺ بھی کوئی مدد نہیں کر سکتے تھے، ان کے پاس سے گزرتے تو فرماتے **اصبروا یا اھل یاسر ان موعدکم جنۃ** ”اے یاسرؓ کے خاندان والو! صبر کرو، تمہاری وعدہ گاہ جنت ہے“۔تو نرم دل قسم کے جو کفار ہوتے تھے وہ مسلمانوں پر ترس کھا کر کہتے تھے کہ پیغمبر نے ان کو (نعوذ باللہ) کس مصیبت میں ڈال دیا ہے، ان کو کیا ملا؟ بلکہ ایک دفعہ جب مسلمانوں نے مدینہ منورہ ہجرت کرلی تو ابوجہل حضرت عباسؓ کو (جو اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے) ساتھ لیے پھر رہا تھا۔دیکھا کہ مکہ میں ایک پورا محلّہ خالی پڑا ہے۔ابو جہل حضرت عباسؓ سے کہنے لگا کہ یہ ساری ویرانی تیرے بھتیجے کی لائی ہوئی ہے۔کیسی کامیابی

ہے کہ کھانا ان کو نہیں مل رہا، وطن سے نکالا جا رہا ہے اور پٹائیاں ہو رہی ہیں۔ اس لیے کہتے ہیں کہ نبوت کے پہلے چھ سال میں صرف ۳۹ لوگ مسلمان ہوئے اور نبوت کے چھٹے برس حضرت عمر فاروقؓ چالیسویں آدمی مسلمان ہوئے۔

علماء کہتے ہیں کہ مکی زندگی میں کوئی آدمی منافق نہیں ہوا کیونکہ ایمان کی پرکھ اور معیار ایسا سخت تھا کہ کوئی گڑبڑ آدمی آگے آ ہی نہیں سکتا تھا۔ مدینہ منورہ کی زندگی میں منافق آگے آئے کیونکہ اب ایمان کی علامت صرف نماز ہو گئی تھی جبکہ مکہ مکرمہ میں ایمان کی علامت قربانی تھی ۔کفار مارتے تھے گھسیٹتے تھے اور مذاق اڑاتے تھے۔ یہاں تک کہ شعب ابی طالب کے جو تین سال ہیں ان میں کفار مکہ کا سارے بنی ہاشم کے بارے میں یہ فیصلہ ہوا کہ ان کو بستی سے نکالو، ان کے ساتھ خرید و فروخت، ملنا ملانا، رشتہ لینا دینا اور مدد کرنا وغیرہ سب بند کر دو۔ اللہ تعالیٰ آپ کو حج نصیب کرے، جس طرف صفا اور مروہ کے درمیان دوڑ لگاتے ہیں ان کے پیچھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا محلّہ تھا، جس گھر میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش ہوئی اب بھی موجود ہے، اب اس گھر میں ایک لائبریری ہے۔ اس کے پیچھے ایک گھاٹی ہے جسے شعب ابی طالب کہتے ہیں، اس میں لے جا کر سب کو ڈال دیا اور لکھ کر بیت اللہ شریف پر لگا دیا کہ ان کے ساتھ کسی قسم کا کوئی تعلق نہیں رکھا جائے گا۔ صحابہ کرام کہتے ہیں کہ اور تکالیف تو ہم برداشت کر لیتے تھے لیکن جب بھوک کے مارے ہمارے بچے روتے تھے اور ان کے کھانے کے لیے کچھ نہ ہوتا تو اس وقت ہم کو بہت گرانی ہوتی تھی۔

مَسَّتۡهُمُ الۡبَاۡسَآءُ وَ الضَّرَّآءُ وَ زُلۡزِلُوۡا حَتّٰى يَقُوۡلَ الرَّسُوۡلُ وَالَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا مَعَهٗ مَتٰى نَصۡرُ اللّٰهِ ؕ اَلَاۤ اِنَّ نَصۡرَ اللّٰهِ قَرِيۡبٌ ۝

ترجمہ: کہ پہنچی ان کو سختی اور تکلیف اور جھڑ جھڑائے گئے یہاں تک کہ کہنے لگا رسول اور جو اس کے ساتھ ایمان لائے کب آوے گی اللہ کی مدد سن رکھو اللہ کی مدد قریب ہے۔

تو ایسے حالات آتے ہیں کہ ایمان والے لوگ جو اتنے پکے ہوتے ہیں اور اللہ کی

ذات پر بھروسہ ہوتا ہے وہ کہہ اٹھتے ہیں کہ اللہ کی مدد کب آئے گی؟ لیکن اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے ایک وقت اور حد مقرر ہوتی ہے کہ جب قربانی اس سطح کو پہنچے گی تب مدد آئے گی۔ دس سالہ مکی زندگی میں چند معجزات ظاہر ہوئے کبھی سال دو سال بعد چاند دو ٹکڑے ہو گیا، اور کبھی ابوجہل کے ہاتھوں میں کنکریوں نے کلمہ پڑھ لیا۔ لیکن اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے ایسی عمومی مدد جس سے مسلمانوں کو غلبہ ہو نہیں ہوئی۔ سب سے پہلے عمومی مدد بدر کی جنگ میں آئی۔ جب مسلمانوں کو اطلاع ہوئی کہ قریش کا تجارتی قافلہ جارہا ہے اس کو روکنا ہے۔ جلدی میں کسی نے تلوار لی کسی نے نہ لی اور سب لوگوں کو آپؐ نے میدان میں جمع کیا اب ۳۱۳ آدمی ہیں۔ حضرت عثمانؓ کے گھر سے اطلاع آئی کہ ان کی بیوی اتنی سخت بیمار ہیں کہ ان کی موت کا خطرہ ہے۔ ان سے آپؐ نے کہا کہ تو واپس ہو جا کہ تیرے گھر میں سخت بیماری ہے۔ ۳۱۲ لوگ رہ گئے۔ دو گھوڑے ستر اونٹ، آٹھ تلواریں، چند نیزے یہ اسلحہ ہے اور آگے چلے گئے، اور بجائے تجارتی قافلہ کے کفار کے ایک ہزار کے لشکر سے سامنا ہو گیا۔ اب مدینہ منورہ سے اتنی دور ہو گئے کہ واپس آتے بھی ہیں تو نہیں آسکتے۔ اسباب کو لینا چاہیں بھی تو نہیں لے سکتے۔ اللہ تعالیٰ نے ایسی جگہ لا کر ڈال دیا کہ کوئی گنجائش ہی نہیں ہے سوائے اس کے کہ یہ ۳۱۲ آدمی اسی اسلحہ کے ساتھ لڑیں

سورہ آلانفال میں اسی بات کا تذکرہ ہے

وَيُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّحِقَّ الْحَقَّ بِكَلِمٰتِهٖ وَ يَقْطَعَ دَابِرَ الْكٰفِرِيْنَ ○

ترجمہ: اور اللہ چاہتا تھا کہ سچا کر دے سچ کو اپنے کلاموں سے اور کاٹ ڈالے جڑ کافروں کی۔

جن جن ایمانیات کو بولا گیا تھا کہ زندگی اللہ بناتا ہے مال سے نہیں بنتی، فتح اللہ دیتا ہے اسلحہ سے نہیں ہوتی، غالب اللہ کرتا ہے فوجیں نہیں کرتیں ان سب کو بدر کے میدان میں ثابت کرنے کا اللہ تبارک وتعالیٰ کا منصوبہ تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تسلی کے لیے ایک بات

کہہ دی گئی کہ ”احدی الطائفتین“ کہ دو میں سے ایک گروہ پر غلبہ عطا کریں گے لیکن یہ نہیں بتایا کہ قافلے پر غالب کریں گے یا کفار کے لشکر پر فتح دیں گے اس بات کو مجمل چھوڑا ہوا تھا۔اب قافلہ تو بچ نکلا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم دعائیں مانگ رہے ہیں کہ اس بات کا فیصلہ نہیں ہوا تھا کہ آیا غالب کرنے کا وعدہ قافلہ پر تھا یا لشکر پر۔اللہ تعالیٰ نے ایسے حال میں رکھا کہ اللہ کی طرف رجوع ہو، روئیں، گڑگڑائیں اور اللہ تعالیٰ سے مانگیں۔جس وقت بدر کے میدان میں لشکر کھڑا ہوا تو صحابہ کا ایک گروہ سوچ رہا تھا کہ اگر لڑنے کے لیے لانا تھا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں تلوار لانے کا کہتے، گھوڑا گھر میں کھڑا تھا وہ تو ساتھ لے آتے ، نیزہ برچھا وغیرہ لاتے۔ایسے حال میں لایا گیا ہے کہ کیسے لڑیں گے

كَمَا أَخْرَجَكَ رَبُّكَ مِنْ بَيْتِكَ بِالْحَقِّ وَإِنَّ فَرِيقًا مِّنَ الْمُؤْمِنِينَ لَكٰرِهُونَ ۝ (الانفال. ۵)

جیسے نکالا تجھ کو تیرے رب نے تیرے گھر سے حق کام کے واسطے اور ایک جماعت اہل ایمان کی راضی نہ تھی۔

اب صحابہ کرام کی بڑی اونچی شان ہے کہ اگلی آیت کہتی ہے کہ ہم نے ان کے دلوں کو مضبوط کر دیا اور یہ بات جو عارضی طور پر آئی تھی دور ہوگئی۔انصار جو ساتھ آئے ہوئے تھے تو انھوں نے بیعت عقبہ میں اس بات کا عہد کیا تھا کہ جو دشمن آپ ؐ پر حملہ آور ہوگا اس وقت ہم آپ کے حامی و مددگار ہوں گے۔مدینہ سے باہر جا کر آپ کے ساتھ جنگ کرنے کا وعدہ نہ تھا۔اب انصار سے یہ بھی نہ پوچھا تھا کہ مدینہ منورہ سے باہر لڑائی ہے، ساتھ دیتے ہو یا نہیں۔تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سب کو جمع کیا اور پوچھا کہ ان حالات میں کیا کرنا ہے؟ اس پر حضرت ابوبکرؓ فوراً کھڑے ہوئے اور نہایت خوبصورتی سے اظہار جانثاری فرمایا۔ان کے بعد حضرت عمرؓ کھڑے ہوئے اور اظہار جانثاری فرمایا، ان کے بعد حضرت مقداد بن اسودؓ کھڑے ہوئے اور عرض کیا ”یا رسول اللہ جس چیز کا اللہ نے آپ کو حکم دیا ہے اس کو انجام دیجئے ہم سب آپ کے

ساتھ ہیں۔ خدا کی قسم ہم بنی اسرائیل کی طرح یہ ہرگز نہ کہیں گے کہ اے موسیٰ تم اور تمہارا رب جا کر لڑو ہم تو یہیں بیٹھے ہیں۔ بلکہ ہم یہ کہیں گے کہ آپ اور آپ کا پروردگار جہاد وقتال کرے ہم بھی آپ کے ساتھ جہاد وقتال کریں گے"۔ مسند احمد میں روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سب اصحاب نے متفق ہو کر کہا ہم بنی اسرائیل کی طرح نہ کہیں گے، ہم ہر حال میں آپ کے ساتھ ہیں"۔

انصار کا یہ خیال تھا کہ مہاجرین بڑے اور بزرگ ہیں بس جیسے وہ کہیں گے ہم کریں گے۔ لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مہاجرین کے جواب کے باوجود تیسری بار پھر یہی ارشاد فرمایا "اے لوگو مجھے مشورہ دو"۔

سردار انصار حضرت سعدؓ بن معاذ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس بلیغ اشارے کو سمجھ گئے اور فوراً عرض کیا "یا رسول اللہ ہم آپ پر ایمان لائے اور آپ کی تصدیق کی اور اس امر کی گواہی دی کہ آپ جو کچھ لائے ہیں وہی حق ہے اور اطاعت وجانثاری کے بارے میں ہم آپ کو پختہ عہد ومیثاق دے چکے ہیں۔ یا رسول اللہ آپ مدینہ سے کسی اور ارادے سے نکلے تھے اور اللہ تعالیٰ نے دوسری صورت پیدا کر دی۔ جو منشاء مبارک ہو اس پر چلئے اور جس سے چاہیں تعلقات قائم فرمائیں اور جس سے چاہیں تعلقات قطع کریں۔ جس سے چاہیں صلح کریں اور جس سے چاہیں دشمنی کریں۔ ہم ہر حال میں آپ کے ساتھ ہیں۔ ہمارے مال میں سے جس قدر چاہیں لیں اور جس قدر چاہیں ہم کو عطا فرمائیں اور مال کا جو حصہ آپ لیں گے وہ ہمیں اس حصہ سے زیادہ محبوب اور پسندیدہ ہوگا کہ جو آپ ہمارے پاس چھوڑ دیں گے۔ اور اگر آپ ہم کو برک الغماد (جو ایک بہت دور جگہ ہے) جانے کا حکم دیں گے تو بالضرور ہم آپ کے ساتھ جائیں گے۔ قسم ہے اس ذات پاک کی جس نے آپ کو حق دے کر بھیجا ہے اگر آپ ہم کو سمندر میں کودپڑنے کا حکم دیں گے تو ہم اسی وقت سمندر میں کود پڑیں گے اور ہم میں کا ایک شخص بھی پیچھے نہیں رہے گا"۔

تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس بات پر تسلی ہوئی کہ اب اس حال میں ہیں کہ جس پر اللہ کی مدد آتی ہے۔بس یہ آیتیں نازل ہوئیں کہ تین ہزار فرشتے ہم مدد کے لیے نازل کریں گے، پھر دوسری آیت نازل ہوئی کہ پانچ ہزار فرشتے نازل کریں گے پھر آگے کہا کہ اصل مدد تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔اب صحابہ کرام جو کفار کو دیکھتے تھے تو ان کو ایک ہزار کی بجائے چند سو آدمی نظر آتے تھے اور کفار جب مسلمانوں کو دیکھتے تھے تو مسلمان انھیں دگنے نظر آتے تھے۔کفار کے دلوں پر ہیبت چھا گئی اور ابلیس جو انسانی شکل میں قبیلہ بنی ثقیف کے بوڑھے سراقہ بن مالک کی صورت میں کفار کے ساتھ تھا اور ایسے مشورے دے رہا تھا کہ کفار حیران ہو رہے تھے کہ کیسے اعلیٰ مشورے دے رہا ہے اس نے جب دیکھا کہ فرشتے نازل ہو رہے ہیں تو بھاگنے لگا۔کفار نے اس سے کہا کہ کدھر جاتا ہے تو شیطان نے کہا

نَکَصَ عَلٰی عَقِبَیْهِ وَ قَالَ اِنِّیْ بَرِیْٓءٌ مِّنْکُمْ اِنِّیْٓ اَرٰی مَالَا تَرَوْنَ اِنِّیْٓ اَخَافُ اللّٰهَ (الانفال۔۴۸)

تو وہ الٹا پھرا اپنی ایڑھیوں پر اور بولا میں تمہارے ساتھ نہیں ہوں میں وہ دیکھتا ہوں جو تم نہیں دیکھتے میں ڈرتا ہوں اللہ سے

اور اس کو اندازہ ہو گیا کہ اب حالات بدلے ہوئے ہیں اور اب کچھ نہیں ہو سکتا۔دو آدمی تھے جو پاس ٹیلے پر جنگ کا تماشا کرنے بیٹھے تھے ان میں سے ایک بدر کی جنگ کے بعد مسلمان ہوئے انھوں نے کہا کہ جب جنگ شروع ہوئی تو بادل آئے اور ان میں سے گھوڑوں کے ہنہنانے کی آوازیں آ رہی تھیں۔پھر بادلوں میں سے آواز آئی اقبل یا حیضوم (اے حیضوم آگے بڑھ) تو کہتے ہیں کہ اس آواز سے ایسی ہیبت طاری ہوئی کہ میرے دوسرے ساتھی کا تو کلیجہ پھٹ گیا اور وہ وہیں مر گیا، اور میں بیہوش ہو کر گر گیا۔بعد میں ان کو مسلمانوں نے بتایا کہ بدر کے میدان میں حضرت جبرائیل علیہ السلام جس گھوڑے پر سوار تھے اس کا نام ”حیضوم“ تھا۔صحابہ کرام کہتے ہیں کہ ہم نے ابھی تلوار اٹھا کر پوری طرح وار بھی نہیں کیا ہوتا تھا کہ سامنے

والے کی گردن کٹ کر دور جا گرتی تھی، اور بعد میں جس شخص کو ہم نے مارا ہوتا تھا اور جس کو فرشتوں نے مارا ہوتا تھا ان میں فرق یہ تھا کہ فرشتے کی ضرب والی جگہ کالی ہو چکی ہوتی تھی اور ہمارے وار والی جگہ کالی نہیں ہوتی تھی۔ حضرت ابن عباسؓ کا ارشاد ہے کہ فرشتوں نے بدر کے سوا کسی اور موقع پر قتال نہیں کیا، ہاں مسلمانوں کی تائید اور تقویت اور سکنیت وطمانیت کے لیے دوسرے مواقع پر بھی نازل ہوئے۔

ستر کافر قتل ہوئے اور ستر قید ہوئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرت عباسؓ جو اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے بڑے پہلوان تھے، گھوڑے پر بیٹھتے تو پاؤں زمین پر لگتے تھے اور جب آواز دیتے تو پانچ کوس یعنی ساڑھے سات میل تک جاتی تھی۔ ان کو ایک کمزور سے صحابی باندھ کر لے جا رہے تھے۔ ان کو بڑی شرم آ رہی تھی اور لوگوں سے کہہ رہے تھے مجھے اس نے نہیں بلکہ ایک بڑے مضبوط آدمی نے باندھا تھا۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیشی ہوئی تو آپؐ نے فرمایا کہ چوتھے آسمان کے فرشتے نے ان کو باندھ کر حوالے کیا ہے۔ بدر کو قرآن نے یوم الفرقان کہا ہے۔ یعنی اس دن حق کیا ہے اور باطل کیا ہے کا فیصلہ ہوا۔

پھر اس کے بعد عمومی فتوحات شروع ہوئیں یہاں تک کہ حکم ہوا کہ مکہ فتح کرو۔ آپؐ نے دس ہزار کا لشکر ایسے چلایا کہ کسی کو پتہ نہ چلا کہ کدھر جا رہے ہیں۔ یہاں تک کہ چلتے چلتے مکہ مکرمہ کی وادی کے سامنے جا ڈیرے ڈالے اور ابوسفیان جو باہر نکلا تو اس وقت اس کو اندازہ ہوا کہ مکہ گھیرے میں ہے۔ اس نے خیال کیا کہ خود ہی جاؤں اور کوئی معاہدہ یا مذاکرات کر لوں۔ حضرت عباسؓ نے اس کو اکیلا دیکھا تو امان دی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے لے گئے۔

(باقی آئندہ)

☆☆☆☆☆

قاضی فضل واحد

زندگی کے نفسیاتی مؤثرات

انسانی زندگی کے مسائل حل کرنے اور نیابتی صلاحیتوں کو ابھارنے کی ''نفسیات'' کا جاننا ضروری ہے۔ اسکے بغیر صحیح معنوں میں نہ کوئی شخص قومی اور اجتماعی مسائل پر بصیرت حاصل کرسکتا ہے، نہ قیادت کرسکتا ہے اور نہ ہی تعلیم و تربیت کا ٹھیک انتظام کرسکتا ہے۔

اب چند بنیادی باتیں ذکر کی جاتی ہیں جن سے زندگی کے مسائل حل کرنے اور عروج وزوال کے اصول سمجھنے میں ایک حد تک مدد ملے گی۔

قرآن حکیم میں ابتدائی اور بنیادی، درج ذیل چار ''مؤثرات'' کا ذکر ملتا ہے، (۱) فطرت (۲) وراثت (۳) ماحول (۴) تربیت۔ ہر ایک کی تعریف اور کسی قدر تفصیل یہ ہے۔

ا۔ فطرت:

فطرت قبولِ حق کی قوت واستعداد کا نام ہے جو پیدائش کے ابتدائی مرحلہ میں ہر فرد کو منجانبِ اللہ عطا کی جاتی ہے۔ اسکی حیثیت ''تخم'' کی سمجھنا چاہیے جس طرح تخم میں بالقوۃ نشو ونما اور درخت بننے کی استعداد موجود ہوتی ہے۔ اسی طرح فطرت میں نشو ونما اور برگ باری کی استعداد ہوتی ہے۔

فطرت کے اس مرحلہ میں ہر انسان نیک اور صالح ہوتا ہے۔ نیز زندگی کے ہر موڑ اور مؤقف پر یہ روشنی کا کام دیتی ہے۔ البتہ جب دوسرے مؤثرات کا غلبہ ہو جاتا ہے تو اسکی روشنی مدہم پڑ جاتی ہے اور زندگی کے احوال میں دوسرے اثرات نمایاں ہو جاتے ہیں۔ فِطْرَةَ اللّٰہِ الَّتِیْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَیْھَا (۳۰:۳۰)

(وہی تراش اللہ کی جس پر تراشا لوگوں کو۔)

حضرت شاہ عبد القادرؒ نے فطرت کا ترجمہ ''تراش'' سے کیا ہے دراصل اس ''تراش'' ہی میں قبولِ حق کی استعداد بھری گئی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے آدمی کی ساخت اور تراش شروع سے ایسی رکھی ہے کہ اگر وہ حق سمجھنا

اور قبول کرنا چاہے تو کر سکے اور ابتدائے فطرت سے اپنی اجمالی معرفت کی ایک چمک اسکے دل میں ڈال دی ہے۔ اور حدیث صحیح میں تصریح ہے کہ ہر بچہ فطرۃً (اسلام) پر پیدا ہوتا ہے۔ بعدہ باپ ماں اسے یہودی، نصرانی اور مجوسی بنا دیتے ہیں۔ ایک حدیث قدسی میں ہے کہ میں نے اپنے بندوں کو ''حنفاء'' پیدا کیا۔ پھر شیاطین نے اغوا کر کے انہیں راستے سے بھٹکا دیا۔ بہر حال دینِ حق، دینِ حنیف اور دینِ قیّم وہ ہے کہ اگر انسان کو اسکی فطرت پر چھوڑ دیا جائے تو اپنی طبیعت سے اسکی طرف جھکے۔ تمام انسانوں کی فطرت اللہ تعالیٰ نے ایسی ہی بنائی ہے جس میں کوئی تفاوت اور تبدیلی نہیں (تفسیر عثمانی)

فطرت کے بارے میں محققین کی تصریحات یہ ہیں۔ لغت حدیث کی مشہور کتاب ''مجمع البحار'' میں ہے فَطَرَ کے معنی ایجاد کرنا اور گھڑنا، یعنی ایجاد و اختراع کے مرحلہ میں انسان جِبِلّت وطبیعت کی ایسی حالت میں ہوتا ہے کہ قبولِ دین حق کی استعداد اس میں ہوتی ہے (مجمع البحار)۔ محلّی، ابن حزمؒ نے فطرت کی وہی تعریف کی ہے جو صاحب ''مجمع البحار'' نے کی ہے (فیض الباری)

امام غزالیؒ کہتے ہیں ''تمام آدمیوں کا جوہر اصل فطرت میں قبول اصلاح کی لیاقت رکھتا ہے۔ جس طرح لوہا آئینہ بننے کی صلاحیت رکھتا ہے''۔ (کیمیائے سعادت)

قاضی بیضاویؒ کہتے ہیں۔ انسان فطرت پر یعنی قبول حق کی قدرت پر پیدا کیا جاتا ہے۔ (بیضاوی)

حضرت شاہ ولی اللہؒ نے فطرت کو انسان کی ظاہری و باطنی خصوصیات پر محمول کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ، انسان کی ظاہری خصوصیات اس کا سیدھا جسم، دلکش رنگ اور دلربا صورت ہے وہ اس وصف میں خاص ہیئت کے ساتھ دوسرے حیوانوں سے ممتاز ہے اس طرح اسکی باطنی خصوصیات سمجھ بوجھ، عقل و دانش اللہ کی معرفت کی طلب، اسکی عبادت کا جذبہ اور زندگی میں انتفاع کی صورتیں وغیرہ اس میں بھر دی گئی ہیں۔ یہ اسکی فطرت ہے (حجۃ اللہ البالغہ)

ایک اور موقع پر شاہ صاحبؒ تمام انبیاء علیہم السلام کی تعلیمات کا خلاصہ طہارت، اخبات، سماحت اور عدالت میں بیان کرنے کے بعد کہتے ہیں۔ ''ان اوصاف کی ترکیب سے جو حالت بنتی ہے اس کا نام فطرت ہے۔''

علامہ شاہ انور شاہ کشمیریؒ نے بھی فطرت کے بارے میں مذکورہ بالا خلاصہ پیش کیا ہے۔ (فیض الباری۔ کتاب الجنائز)

۲) وراثت:

کچھ خاصیتیں اور صلاحیتیں بذریعہ وراثت نفوذ کرتی ہیں۔ جو مزاج اور طبیعت میں دخیل ہوتی ہیں۔ اور سیرت سازی میں اثر انداز ہوتی ہیں۔ جس طرح انسان کی ظاہری صورت ابتدا میں بنتے وقت اثر قبول کرتی ہے۔ اسی طرح معنوی صورت بھی اثر قبول کرتی ہے۔ اس مرحلہ میں چونکہ والدین زیادہ قریب ہوتے ہیں اس لیے ان کا اثر زیادہ پڑتا ہے۔ پھر ان کے توسط سے تمام ان لوگوں کا جن کا والدین پر اثر ہوتا ہے قرآن حکیم کی درج ذیل آیت میں وراثت کی طرف اشارہ ملتا ہے۔

كُلٌّ يَّعۡمَلُ عَلٰى شَاكِلَتِهٖ

ترجمہ: ہر ایک کام کرتا ہے اپنے ڈھنگ پر (تفسیر عثمانی)

لفظ شاکلتہٖ کی تفسیر میں آئمہ سلف سے مختلف اقوال منقول ہیں۔ طبیعت، عادت، جِبِلّت، نیّت، طریقہ وغیرہ اور حاصل سب کا یہ ہے کہ ہر انسان کی اپنے ماحول عادات اور رسم ورواج کے اعتبار سے ایک عادت اور طبیعت ثانیہ بن جاتی ہے اس کا عمل اسی کے تابع رہتا ہے (قرطبی بحوالہ معارف القران) اس میں انسان کو اس پر تنبیہہ کی گئی ہے کہ بُرے ماحول، بُری صحبت اور بُری عادتوں سے پرہیز کرے۔ نیک لوگوں کی صحبت اور اچھی عادات کا خوگر بنے۔ (جصاص معارف القران) کیونکہ اپنے ماحول، صحبت اور رسم ورواج سے انسان کی ایک طبیعت بن جاتی ہے۔ اسکا ہر عمل اسی کے تابع چلتا ہے۔ امام جصاص نے اس جگہ شاکلتہ کے ایک معنیٰ ''ہم شکل'' کے بھی

کیے ہیں۔اس معنی کے لحاظ سے مطلب آیت کا یہ ہوگا کہ ہر شخص اپنے مزاج کے مطابق آدمی سے مانوس ہوتا ہے۔نیک آدمی نیک سے اور شریر،شریر سے مانوس ہوتا ہے اور اسی کے طریقہ پر چلتا ہے۔

حاصل مطلب اسکا اس بات پر تنبیہ ہے کہ انسان کو چاہیے کہ خراب صحبت اور اور خراب عادت سے پرہیز کا اہتمام کرے۔(معارف القران)

لفظ شاکلہ سے استدلال اور لغوی تحقیق:

ہر کوئی کام کرتا ہے اپنے ڈول پر (ترجمہ شاہ عبدالقادر صاحبؒ)۔ڈول ہندی لفظ ہے جس کے معنی ابتدائی صورت، بناوٹ ڈھانچہ وغیرہ ہیں۔

شاکلہ: عربی میں شاکل کا مؤنث ہے۔جس کے معنی مثل،نظیر،مشابہت،مسلک، طریقہ،مذہب وغیرہ ہیں۔لست علی شکلی ولا علیٰ شاکلتی (ترجمان القران)

تو میرے مسلک اور طریقہ پرنہیں ہے۔

امام راغب اصفہانی آیت کے معنی یہ بیان کرتے ہیں۔''ہر ایک عمل کرتا ہے اپنے ڈھنگ پر''(مفردات القران)

مفسرین و محققین کی آرأ:

مجاہدؒ نے شاکلہ کی تفسیر طبیعت سے کی ہے۔

ابوبکر جصاصؒ نے لائق ومشابہ کے معنی لیے ہیں (احکام القران)

قاضی بیضاوی نے تفسیر اس طرح کی ہے۔''ہر آدمی اس طریقہ پر عمل کرتا ہے جو ہدایت وضلالت میں اسکی حالت کے مشابہ ہوتا ہے۔اور اس طریقہ پر عمل کرتا ہے جو ہر روح اور مزاجِ بدن کی حالت کے ساتھ مشابہت رکھتا ہے''(بیضاوی)

علامہ ابوالحیان اندلسیؒ کہتے ہیں۔''شاکلہ'' کے معنی اس طریقہ اور روش کے ہیں جو انسان کی فطرت میں ودیعت کی گئی ہے (البحر المحیط)

فراء نے بھی یہی معنی بیان کئے ہیں (لغات القران)

حضرت شاہ ولی اللہؒ فرماتے ہیں۔ اپنے اس طریقہ پر جس پر اسکی جبلّت کی گئی ہیں (حجۃ اللہ البالغہ)

ماحول:

ماحول: ما۔ ہر وہ چیز

الحول۔ کے معنی ''کسی چیز کے متغیر ہونے اور دوسری چیزوں سے الگ ہونا'' کے ہیں۔

تو گویا ہر وہ چیز جو ارد گرد ہو ماحول کہلاتی ہے (مفردات القران)

قرآن کریم سے ماحول کا ثبوت:

انسان شعوری و غیر شعوری طور پر ماحول کی تمام چیزوں سے متاثر ہوتا ہے اور رفتہ رفتہ یہ تأثر مزاج اور طبیعت میں دخیل بن جاتا ہے جس کا اثر اعمال و اخلاق میں نمایاں ہونے لگتا ہے۔

ارشادِ ربانی ہے:

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ وَ کُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ۝ (توبہ: ۱۱۹)

ترجمہ: اے ایمان والو اللہ سے ڈرو اور سچوں کے ساتھ رہو۔ (بیان القران)

انبیاء کرام علیہم السلام کی بعثت و رسالت اگرچہ بُرے ماحول کی طرف ہوتی ہے اور وہ پاک نفوس ہمہ وقت اور ہمہ تن اللہ جل شانہٗ کی ذاتِ عالی کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔ پھر بھی باقی انسانوں کی تعلیم کے لئے انکو حکم دیا جاتا ہے کہ

وَاصْبِرْ نَفْسَکَ مَعَ الَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ رَبَّھُمْ (۱۸:۲۸)

ترجمہ: اور آپ نے اپنے آپ کو ان لوگوں کے ساتھ مقیّد کر رکھا کیجیے جو اپنے رب کو پکارتے ہیں۔

متعدد روایات میں وارد ہے کہ نبی کریم ﷺ۔ اللہ جل شانہٗ کا اس پر شکر ادا فرمایا

کرتے تھے کہ میری امت میں ایسے لوگ پیدا فرمائے جن کی مجلس میں اپنے آپ کو مقیّد رکھنے پر مامور ہوں (فضائل تبلیغ)

اسی آیت شریفہ میں دوسری جماعت کا بھی حکم ارشاد فرمایا گیا ہے کہ جن کے قلوب اللہ کی یاد سے غافل ہیں۔ اپنی خواہشات کا اتباع کرتے ہیں حدود سے بڑھ جاتے ہیں۔

وَلَا تُطِعْ مَنْ اَغْفَلْنَا قَلْبَهٗ عَنْ ذِكْرِنَا وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ وَ كَانَ اَمْرُهٗ فُرُطًا

اور نہ کہا مان اس کا جس کا دل غافل کیا ہم نے اپنی یاد سے اور پیچھے پڑا ہوا ہے اپنی خوشی کے اور اس کا کام ہے حد پر نہ رہنا۔ (الکھف ۔۲۸)

گویا نیک ماحول کو اختیار کرنے اور بُرے ماحول کو ترک کرنے کا حکم خود خالق حقیقی کی طرف سے دیا جارہا ہے۔

سیّدنا داؤد علیہ الصلوٰۃ السلام کی دعا ہے کہ یا اللہ اگر تو مجھے ذاکرین کی مجلس سے غافلین کی مجلس میں جاتا ہوا دیکھے تو میرے پاؤں توڑ دے (فضائل تبلیغ)

ایک حدیث میں نبی کریم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ لقمانؒ نے اپنے بیٹے کو نصیحت کی تھی کہ علماء کی خدمت میں بیٹھنے کو ضروری سمجھو اور حکمائے امت کے ارشادات کو غور سے سنا کرو۔ حق تعالیٰ شانہٗ حکمت کے نور سے مردہ دلوں کو ایسے زندہ فرماتے ہیں جیسے مردہ زمین کو موسلا دھار بارش سے اور حکماء دین کے جاننے والے ہی ہیں نہ کہ دوسرے اشخاص (موطا امام مالکؒ)

ایک اور حدیث میں وارد ہے کہ نبی کریم ﷺ سے کسی نے دریافت کیا کہ بہترین ہم نشین ہم لوگوں کے واسطے کون شخص ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ جس کے دیکھنے سے اللہ کی یاد پیدا ہو جس کی بات سے علم میں ترقی ہو، جس کے عمل سے آخرت یاد آجائے (فضائل تبلیغ)

نیک اور صالح لوگوں کی مجلس و ماحول کی اہمیت کے بارے میں ارشاد نبوی ﷺ ہے کیا تجھے دین کی نہایت تقویت دینے والی چیز نہ بتاؤں جس سے تو دنیا و دین دونوں کی فلاح کو

پہنچے وہ اللہ تعالیٰ کو یاد کرنے والوں کی مجلس ہے اور جب تو تنہا ہوا کرے تو خود کو اللہ تعالیٰ کی یاد سے رطبُ للّسان رکھا کر (مشکوٰۃ)

حضرت مولانا جلال الدین رومیؒ کا قول ہے:

صحبت صالح ترا صالح کند

صحبت طالع ترا طالع کند (مثنوی مولوی معنوی)

ذرائع تربیت

شخصیت کا نمونہ بطور تربیت:

ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُولِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَه (الاحزاب:۲۱)

'حقیقت تم لوگوں کے لیے اللہ کے رسول میں بہترین نمونہ ہے''۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ سے جب آپؐ کے اخلاق کے بارے میں پوچھا گیا تو آپؓ نے فرمایا کہ آپؐ کا اخلاق قرآن تھا۔ خود قرآن کریم میں ارشادِ ربانی ہے

اِنَّکَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْم (القلم:۴)

''آپ اخلاق کی بلندیوں پر ہیں''

اور فرمایا فَقَدْ لَبِثْتُ فِيْكُمْ عُمُرًا مِنْ قَبْلِهِ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ٥ (یونس:۱۶)

''یقیناً آپ کے اندر زندگی کا اچھا خاصہ حصہ گزار چکا ہوں۔ آپ عقل سے کام نہیں لیتے''

انسانیت کی تمام طویل تاریخ میں آپؐ کی ذات اقدس سب سے بڑا عملی نمونہ اور مثالی پیکر تھی آپؐ نے قول سے پہلے اپنے عمل سے انسانوں کو ہدایت و تربیت دی۔

تربیت بذریعہ نصیحت:۔

انسانی نفس میں یہ صلاحیت موجود ہے کہ وہ کلام کا اثر قبول کرتا ہے مگر چونکہ اس کا اثر

وقتی ہوتا ہے اسلئے اس میں تکرار لازمی ہے۔ پُر تاثیر نصیحت نفس انسانی پر براہِ راست اثر انداز ہوتی ہے ارشادِ ربانی ہے

وَذَكِّرْ فَاِنَّ الذِّكْرٰى تَنْفَعُ الْمُؤْمِنِيْنَ (الذاریات:۵۵)

ترجمہ: اور سمجھاتا رہ کہ سمجھانا کام آتا ہے ایمان والوں کو۔

بہر حال تربیت کے لیے نصیحت ایک لازمی اور ضروری عمل ہے۔ اسلئے کہ نفس میں ایسے فطری میلانات موجود ہوتے ہیں جن کو مسلسل تہذیب اور رہنمائی کی ضرورت ہوتی ہے اور اس کے لیے نصیحت ناگزیر ہے۔

کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ انسان کے لیے تنہا مثالی نمونہ کافی نہیں ہوتا۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم میں جابجا نصیحتیں اور وعظ موجود ہیں۔

<u>تربیت بذریعہ ترغیب وترہیب:</u>

اسلام نے جس طرح مثالی نمونہ، موعظت و نصیحت کا ذکر کیا ہے اسی طرح ترغیب و ترہیب کے وسائل کو بھی اختیار کیا ہے۔ چنانچہ کہیں عدم رضائے الٰہی سے ڈرایا ہے۔ اگر چہ بہت ہلکی سی تہدید ہے مگر مؤمنین کے لیے اسکی تاثیر بہت زیادہ گہری ہے۔

اَلَمْ يَاْنِ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اَنْ تَخْشَعَ قُلُوْبُهُمْ لِذِكْرِ اللّٰهِ (الحدید:۱۶)

''کیا! ایمان والوں کے لیے ابھی وہ وقت نہیں کہ ان کے دل اللہ کے ذکر سے پگھلیں۔''

اور کبھی قرآن کریم نے واضح الفاظ میں خدا کے غضب سے ڈرایا ہے۔ جیسا کہ واقعہ افک کے ضمن میں فرمایا گیا ہے۔

يَعِظُكُمُ اللّٰهُ اَنْ تَعُوْدُوْا لِمِثْلِهٖٓ اَبَدًا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝ (النور۔۱۷)

ترجمہ: اللہ تمہیں نصیحت کرتا ہے کہ آئندہ کبھی ایسی حرکت نہ کرنا اگر تم مؤمن ہو

قرآن کریم کبھی اللہ اور رسول ﷺ سے جنگ کی دھمکی دیتا ہے۔

فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا فَاْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ (البقرہ:۲۷۹)

ترجمہ: اگر تم نے ایسا نہ کیا (سود لینا دینا نہیں چھوڑا) تو آگاہ ہو جاؤ کہ اللہ اور اسکے رسولﷺ کی طرف سے تمہارے خلاف اعلانِ جنگ ہے۔

کبھی قرآن کریم سزائے آخرت کا خوف دلاتا ہے اور کبھی دنیا کی سزا سے بھی ڈراتا ہے۔

اِلَّا تَنْفِرُوْا یُعَذِّبْکُمْ عَذَابًا اَلِیْمًا وَّ یَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَیْرَکُمْ (التوبہ:۳۹)

ترجمہ: (جہاد کے لیے) اگر نہ نکلے تو اللہ تم کو دردناک عذاب دے گا اور تمہاری جگہ کسی اور گروہ کو اٹھائے گا۔

لوگوں کی طبیعتوں اور مزاج کے مدنظر سرزنش کے یہ مراحل بیان ہوئے ہیں۔ کیونکہ بعض اشارہ ہی سمجھ جاتے ہیں اور بعض لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ جب انکو واضح اور کھلے الفاظ میں جھڑک دیا جائے تو باز آجاتے ہیں کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ انہیں مستقبل کی سزا سے ڈرا دینا کافی ہوتا ہے۔

سزا بطور ذریعہ تربیّت :۔

کچھ لوگ اس وقت باز آتے ہیں جب وہ اپنے جسم پر سزا کا کوڑا برستا ہوا محسوس کرتے ہیں۔ اور سزا کا ذائقہ عملاً چکھ لیتے ہیں۔ اگر معاشرے کے بعض افراد پر نہ تو مثالی نمونہ اثر انداز ہوتا ہو اور نہ وہ وعظ سے درست ہوتے ہیں تو ان کیلئے ایک قطعی اور حتمی علاج ''سزا'' ضروری ہوجاتی ہے۔ تاکہ یہ لوگ اپنی اصلاح کر سکیں اور معاشرے کے کارآمد افراد بن سکیں۔

یقیناً ایسا نہیں ہے کہ تربیت کرنے والا آغاز ہی سزا سے کرے بلکہ پہلے وہ عملی نمونے سے پھر وعظ و نصیحت سے اصلاح کی کوشش کرتا ہے۔ بعدازاں عملِ خیر کی دعوت دیتا ہے۔ اور بگاڑ و فساد پر ایک مناسب وقت تک صبر کرتا ہے مگر کچھ افراد ایسے بھی ہوتے ہیں جن کی ان تمام ذرائع سے اصلاح نہیں ہوتی اور ان کی کجی کا یہ عالم ہوتا ہے کہ جس قدر ان کو وعظ و نصیحت کی جاتی ہے اتنا ہی ان کا انحراف بڑھتا جاتا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ ان لوگوں کو نظرانداز کر دینا خلاف حکمت

ومصلحت ہے۔ یہ لوگ بلاشبہ مریض ہیں اوران کا علاج بھی ضرور ہونا چاہیے۔

قصص کے ذریعے تربیت:۔

قرآن کریم نے انسان کی اس فطرت کو جانتے ہوئے کہ وہ طبعًا قصص کی جانب مائل ہوتا ہے اوران سے متاثر ہوتا ہے قصص کو ذریعہء تربیت اختیار کیا ہے۔ اور قصص کی تمام قسمیں اختیار کی ہیں۔ چنانچہ وہ تاریخی قصص بھی بیان کئے ہیں جنکے مقام، اشخاص اور واقعات مقصود ہیں۔ وہ قصص بھی جو محض انسان کی حالت کا ایک نمونہ ہیں اور وہ تمثیلی واقعات وقصص بھی بیان کیے ہیں جن سے مثال دینا مقصود ہے ہاں یہ ایک حقیقت ہے کہ قرآن کریم میں جو قصص بھی بیان ہوئے ہیں وہ دینی مقاصد کے تحت بیان ہوئے ہیں اس لیے کہ قرآن کریم کتاب ہدایت اور ضابطہء حیات ہے۔ قصوں کہانیوں کی کتاب نہیں۔ بہر حال اسلام قصص وواقعات سے تربیت کا مقصد حاصل کرتا ہے۔

تربیت بذریعہ عادت:۔

اسلام عادت کو تربیت کے ایک ذریعہ کے طور پر کام میں لاتا ہے اور خیر کے کاموں کو انسان کی عادت بنا دیتا ہے تا کہ اسکی انجام دہی میں نفس کو صعوبت، مشقت اور تکلیف نہ ہو، لیکن ساتھ ہی اسکا بھی سدباب کرتا ہے کہ عادت محض مشینی اور غیر شعوری حرکت بن کر نہ رہ جائے۔ اسلام نے برائیوں کے استیصال کا تدریجی طریقہ اختیار کیا اور اسلامی معاشرے کی تکمیل کے مرحلے پر جا کر حرام اور ممنوع قرار دیا۔ مثلاً قرآن کریم نے سب سے پہلے شراب کے بارے میں فرمایا:۔

تَتَّخِذُوْنَ مِنْهُ سَكَرًا وَّ رِزْقًا حَسَنًا (النحل:۶۷)

ترجمہ: جسے تم نشہ آور بھی بنا لیتے ہو اور پاک رزق بھی۔

باریک سا اشارہ ملا اور بعض ارباب دانش نے یہ محسوس کرلیا تھا کہ آئندہ اللہ تعالیٰ شراب کو حرام فرمانے والا ہے۔ اس ارشاد سے منشاء یہ تھا کہ نفس میں اس کی الفت کم ہوجائے اور

عادت کی تبدیلی کی جانب مائل ہو جائے۔

پھر فرمایا اِثۡمُهُمَا اَكۡبَرُ مِنۡ نَّفۡعِهِمَا (البقرہ:۲۱۹)

ترجمہ: ان کا گناہ انکے فائدے سے بہت زیادہ ہے۔

یہ دراصل شراب کے استعمال کی ممانعت تھی۔

بعدازاں مسلمانوں کو نصیحت فرمائی گئی کہ اوقات نماز میں نشہ سے پرہیز کریں۔

لَا تَقۡرَبُوا الصَّلٰوةَ وَاَنۡتُمۡ سُكٰرٰى (النساء:۴۳)

ترجمہ: جب تم نشہ کی حالت میں ہو تو نماز کے قریب نہ جاؤ۔

اور بالآخر تحریم خمر کا حتمی اور قطعی فیصلہ کر دیا بلکہ ایک حدیث کے مطابق شراب کے برتن کا استعمال بھی ممنوع قرار دیا گیا۔

رِجۡسٌ مِّنۡ عَمَلِ الشَّيۡطٰنِ فَاجۡتَنِبُوۡهُ (المائدہ:۹۰)

ترجمہ: گندے شیطانی کام ہیں اس سے اجتناب کرو۔

زنا کے ممنوع قرار دینے کے لیے بھی تدریجی طریقہ اختیار کیا گیا۔

سود کی حرمت کا اعلان سن ۱۰ھ میں اس وقت ہوا جب مسلم معاشرہ مکمل نشوونما پا چکا تھا اور اجتماعی تربیت کی تکمیل ہوگئی۔

عادات صالح کی نشوونما:

اسلام نے بنی نوع انسان میں عادات صالح کو نشوونما دینے کے لیے بھی کئی مرحلہ وار طریقے اختیار کئے مثلاً نماز تو اللہ سے تعلق و ربط کی ایک خواہش اور اس سے دعا اور طلب کی ایک انفرادی سعی ہے۔لیکن اسلام نے نماز کے اوقات منضبط کر کے اور جماعت کے فضائل بیان کر کے اسے ایک اجتماعی عمل کی صورت دے دی۔اسی طرح جب زکوٰۃ ایک نظام کی صورت میں سامنے آتی ہے اور اس کی ادائیگی کے اوقات کا تعین، اس کی شرح نصاب اور اس کی وصولی کا طریقہ متعین ہو جاتا ہے تو یہ ایک ایسا اجتماعی عمل بن جاتا ہے جو ریاست کی اور معاشرے کی

اساس قرار پاتا ہے۔

غرض اسلام نے ایک ایسا معاشرہ پیدا کر دیا تھا جس میں اس کے اصول ونظریات عملاً کارفرما تھے اور اسلامی فضائل واقعتاً جلوہ گر تھے جس کے نتیجے میں ہر عادت ایک انفرادی عمل اور اجتماعی ارتباط بن گئی تھی اور اس طرح اسے دوام و بقا حاصل ہو گیا تھا اور ایک مضبوط، محکم اور پیوست بنیادوں والا نظام استوار ہو گیا تھا۔

دیگر نفسیاتی عادتوں، مثلاً صدق گوئی، ایمانداری، محبت ونرمی اور ایثار وقربانی کے لیے بھی اسلام اولاً وجدان ہی کو ابھارتا اور پھر اسکے مطابق رغبتِ عمل پیدا کرتا اور اس رغبت کو ایک واقعی اور عملی صورت میں اجاگر کر دیتا جس سے فرد کے ظاہر وباطن میں یکسانیت پیدا ہو جاتی ہے اور خیر اپنی علامتوں کے ساتھ واضح ہو کر سامنے آجاتی۔

☆☆☆☆☆

حضرت احمد بن ابی الحواری فرماتے ہیں کہ محمود نے حضرت ابوسلیمان (دارانی) سے سوال کیا کہ کونسا عمل اللہ کا مقرب بننے کا بڑا ذریعہ ہے؟ تو حضرت ابوسلیمان رو پڑے، پھر فرمایا کہ مجھ جیسے سے اتنا عظیم سوال پوچھا جا رہا ہے۔ پھر فرمایا سب سے زیادہ پسندیدہ عمل جس کے ذریعے اللہ کا قرب حاصل ہوتا ہے یہ ہے کہ اللہ تمہارے دل کی طرف متوجہ ہوں تو تیری یہ حالت ہو کہ تو دنیا اور آخرت میں صرف اسی (اللہ) کا طلبگار ہو۔

فائدہ: یہ طلب کامل اتباع شریعت سے حاصل ہوتی ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے مسلمانوں کو عطا کی گئی ہے۔ اس پر عمل کے بغیر جو لوگ محبت الٰہی کا دعویٰ کرتے ہیں وہ گمراہی میں پھر رہے ہیں، اللہ تعالیٰ ان کو ہدایت نصیب فرمائے۔

☆☆☆☆☆

ماخوذ از:
تاریخ دعوت وعزیمت

آں مسلماناں کہ میری کردہ اند
درشہنشاہی فقیری کردہ اند

سلطان صلاح الدین ایوبیؒ:

بالآخر اپنا مقدس فریضہ ادا کر کے اور عالم اسلام کو صلیبیوں کی غلامی کے خطرہ سے محفوظ کرنے کے بعد ۲۷ صفر ۵۸۹ھ کو اسلام کا یہ وفادار فرزند دنیا سے رخصت ہوا اس وقت ان کی عمر ۵۷ سال کی تھی۔ قاضی بہاؤ الدّین بن شداد سلطان کی وفات کا حال بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

''۲۷ صفر کی شب کو جو سلطان کی علالت کا بارھواں دن تھا مرض میں شدت ہوگئی، اور قوت گھٹ گئی شیخ ابو جعفر امام الکلاسہ کو جو ایک نہایت صالح اور بزرگ شخص تھے کو زحمت دی گئی کہ رات کو قلعے میں رہیں کہ اگر رات کو وہ ساعت مقرر آ گئی، جو سب کو پیش آنے والی ہے تو وہ اس وقت سلطان کے پاس ہوں اور ان کو تلقین کرسکیں، اور اللہ کا نام لیں۔ رات کو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ سلطان سفر کے لیے پابرکاب ہیں۔ شیخ ابو جعفر ان کے پاس بیٹھے ہوئے تلاوت وذکر میں مشغول تھے، تین دن پہلے سے ان پر ایک ذہول اور غفلت طاری تھی کسی کسی وقت ان کو ہوش آتا تھا، جب شیخ ابو جعفر نے تلاوت کرتے ہوئے ھو اللہ الذی لا الہ الا ھو علم الغیب والشھادۃ پڑھی تو سلطان کو ہوش آ گیا، ہونٹوں پر مسکراہٹ آئی اور چہرہ کھل گیا اور کہا صحیح ہے اور یہ کہہ کر جان جان آفریں کے سپرد کی۔ یہ چہارشنبہ کا دن صفر کی ۲۷ تاریخ اور فجر کا وقت تھا، ایسا معلوم ہوتا تھا کہ خلفائے راشدین کی وفات کے بعد سے ایسا سخت دن مسلمانوں کی تاریخ میں نہیں آیا، قلعہ، شہر اور تمام دنیا پر ایک وحشت سی برستی تھی، اللہ تعالیٰ ہی کو معلوم ہے کہ کیسا سناٹا اور کیسی اداسی تھی، میں پہلے جب سنتا تھا کہ لوگ دوسروں پر قربان ہو جانے کا اور ان کا فدیہ بن جانے کی تمنا کرتے ہیں تو سمجھتا تھا کہ یہ محض ایک مجاز اور تکلف کی باتیں ہیں لیکن اس دن معلوم ہوا کہ یہ حقیقت ہے، خود

میں اور بہت سے لوگ ایسے تھے کہ اگر ان کے امکان میں ہوتا کہ وہ سلطان پر اپنی جان قربان کر سکیں اور ان کی طرف سے فدیہ ہو جائیں تو وہ اس کے لیے تیار تھے۔"

قاضی ابن شداد لکھتے ہیں کہ سلطان نے اپنے ترکے میں صرف ایک دینار اور ۴۷ درہم چھوڑے تھے، کوئی ملک، مکان، جائیداد، باغ، گاؤں، زراعت نہیں چھوڑی۔ ان کی تجہیز و تکفین میں ایک پیسہ بھی ان کی میراث سے صرف نہیں ہوا، سارا سامان قرض سے کیا گیا یہاں تک کہ قبر کے لیے گھاس کے پولے بھی قرض سے آئے، کفن کا انتظام ان کے وزیر و کاتب قاضی فاضل نے کسی جائز و حلال ذریعے سے کیا۔

قاضی ابن شداد سلطان کی سیرت، اخلاق و عادات، اور خصوصیات میں لکھتے ہیں،

"سلطان نہایت صحیح العقیدہ، راسخ الاعتقاد مسلمان، عقائد میں اہل سنت و الجماعت کے ہم مسلک و ہم اعتقاد، نماز و واجبات کے بڑے پابند تھے۔ ایک موقع پر فرمایا کہ سالہا سال ہو گئے میں نے ایک نماز بھی بے جماعت نہیں پڑھی۔ حالت مرض میں بھی امام کو بلا لیتے اور بتکلف کھڑے ہو کر نماز پڑھتے۔ سنن رواتب پر مداومت تھی، رات کو حتی الامکان نوافل پڑھتے، اگر رات کے نوفل رہ جاتے تو (شافعیہ کے مسلک کے مطابق) نماز فجر سے پہلے ادا کرتے۔ ان کو آخری بیماری میں کھڑے ہو کر نماز پڑھتے دیکھا، صرف تین دن جن میں ان پر بیہوشی طاری رہی نماز فوت ہوئی زکوٰۃ فرض ہونے کی ساری عمر نوبت ہی نہیں آئی اس لیے کہ انھوں نے کبھی اتنا جمع ہی نہیں کیا جس پر زکوٰۃ فرض ہو، ان کی ساری دولت صدقات و خیرات میں خرچ ہوئی، صرف ۴۷ درہم ناصری اور ایک سونے کا سکہ چھوڑا، باقی کوئی جائیداد، ملکیت نہیں چھوڑی۔ رمضان میں روزے کے سخت پابند تھے، کچھ روزے ان کے ذمے باقی تھے، قاضی فاضل کی یادداشت میں تحریر تھے، وفات سے پہلے پہلے بڑے اہتمام سے سب روزے قضا کیے، معالج نے ہر چند منع کیا لیکن فرمایا کہ کل کا حال مجھے معلوم نہیں، چنانچہ ان کی قضا کے بعد ہی خود قضا کر گئے۔"

اورنگزیب عالمگیرؒ

حضرت اورنگزیب عالمگیرؒ کے متعلق جو مستند تاریخی مواد موجود ہے اس کی بناء پر پورے وثوق کے ساتھ کہا جاسکتا ہے کہ بادشاہ حضرت مجددالف ثانیؒ کی اصلاحی وتجدیدی تحریک، سلطنت کو ''ہادم اسلام'' (اسلام کو گرانے والی) کے بجائے ''خادم الاسلام'' بنانے کی انقلاب انگیز مگر خاموش کوششوں اور ان کے فرزندوں اور خاندان کی گہری و بے لوث روحانیت اور دلآویز شخصیتوں سے پورے طور پر متاثر تھے اور انھوں نے حضرت مجددؒ کی دعوت و مقاصد سے ہم آہنگی پیدا کرلی تھی اور نظام سلطنت اور معاشرہ میں جرأتمندانہ اور دوررس تبدیلیاں لانا چاہتے تھے۔ اور انھوں نے پہلی مرتبہ بعض ایسی اصلاحات نافذ کی تھیں جن سے اگرچہ حکومت کا مالیہ متاثر ہوتا تھا لیکن شریعت کے بعض صریح احکام کا نفاذ ہوتا تھا۔

''رمضان کا مہینہ تھا، لوئیں چلتی تھیں، دن بڑے ہوتے تھے، بادشاہ دن کو روزہ رکھتا، وظائف پڑھتا، تلاوت و کتابت اور حفظ کلام مجید کرتا، اور اپنی عدالت اور سلطنت کے کاموں کو انجام دیتا، شام کو افطار کرکے ''مسجد غسلخانہ'' (موتی مسجد) میں نماز وتر اوتیح اور نفل پڑھتا، آدھی رات کو کچھ قلیل غذا کھاتا، رات کو بہت کم سوتا، اکثر عبادت کرتا، بعض متبرک راتوں کو ساری رات عبادت ہی میں گزارتا، اسی طرح سارا مہینہ گزرا۔'' (تاریخ ہندوستان)

انتقال کا حال بیان کرتے ہوئے مؤرخ لکھتا ہے: ''سال ۱۱۱۷ھ میں تپ بڑی شدت سے چڑھی، چار روز تک باوجود مرض کی شدت کے بسبب کمال تقویٰ کے پانچ وقت کی نماز جماعت کے ساتھ پڑھی، ایک وصیت نامہ تھا کہ جس میں انھوں نے اپنی تجہیز و تکفین کے بارے میں لکھا تھا کہ ساڑھے چار روپے جو میرے ہاتھ کی محنت کی ٹوپیوں کی سلائی سے بچے ہیں اس میں تجہیز و تکفین ہو، اور آٹھ سو پانچ روپے جو قرآن نویسی کی اجرت سے حاصل ہوئے ہیں، مساکین میں تقسیم ہوں، بروز جمعہ ۲۸ ذیقعدہ ۱۱۱۷ھ کو بادشاہ نے صبح کی نماز پڑھ کے کلمہ توحید کا ذکر شروع کیا، ایک پہر دن چڑھے اس دار فنا سے روئے جنت تشریف فرما ہوئے۔''

حضرت ڈاکٹر فدا محمد مدظلہٗ

موت العالِم موت العالَم

پچھلے مہینوں میں دو روحانی شخصیات حضرت مولانا شہید احمد صاحب سابق ایم۔این۔اے اور حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب نقشبندی امت کو داغِ مفارقت دے کر رخصت ہوگئیں۔ دونوں حضرات کی کمی عرصہ تک محسوس ہوتی رہے گی۔

حضرت مولانا شہید احمد صاحب کی زیارت اور ملاقات کا بندہ کو تو موقع نہیں ملا لیکن بندہ کے قریبی احباب مولانا غنی الرحمٰن صاحب خطیب ''مسجد نور'' حیات آباد پشاور، ڈاکٹر جاوید صاحب خیبر میڈیکل کالج پشاور اور پروفیسر احسان صاحب جغرافیہ ڈیپارٹمنٹ (جو حضرت کے صحبت یافتہ تھے) کی زبانی انکی ایسی یادیں سنیں کہ گرویدہ ہی ہو گئے حضرت موصوف سکول کی تعلیم کے بعد بحیثیت محرر پولیس میں کام کر رہے تھے کہ کربوغہ شریف (ہنگو) کے ایک بزرگ کی ملاقات سے متاثر ہو کر نوکری چھوڑ کر دینی علوم کی طرف متوجہ ہوئے دیوبند سے تعلیم مکمل کر کے حضرت مولانا نصیر الدین غور غشتیؒ سے دورہ حدیث مکمل کیا اور طریقہ عالیہ نقشبندیہ کی تربیت مکمل کر کے خلیفہ مجاز ہوئے۔ اپنے آبائی علاقہ ورانہ (ضلع کرک) میں مدرسہ قائم کر کے دینی خدمات شروع کیں۔ کئی نامی گرامی علماء آپ کے شاگرد ہیں جن میں سے بعض سلسلہ نقشبندیہ کے کامل مشائخ ہیں۔ ۱۹۸۸ء میں اسلم خٹک (سابق گورنر سرحد) کو شکست دے کر جمیعت علمائے اسلام کے ٹکٹ پر ایم۔این۔اے منتخب ہوئے ۱۹۹۳ء میں دوبارہ قومی اسمبلی کے ممبر ہوئے اور اسمبلی میں نفاذ شریعت کے لیے جان توڑ کوشش کی۔ ۱۷ مارچ کو آپ کی وفات ہوئی۔ اللہ تعالیٰ آپ کے درجات بلند فرمائے اور آپ کے صاحبزادہ حضرت مولانا شاہ عبد العزیز صاحب اور دیگر پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے۔

حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب کی ملاقات اور زیارت کی سعادت بندہ کو نصیب ہوئی۔ موصوف جامع العلوم اسلامیہ بنوری ٹاؤن کراچی کے فاضل تھے اور حضرت بنوریؒ کے خاص شاگردوں میں سے تھے، بندہ کے استاد محترم حضرت مولانا عبد الحئیؒ صاحب (گیروال

ہزارہ) کے داماد تھے اور انہی سے سلسلہ عالیہ نقشبندیہ میں خلافت حاصل تھی بعد میں حضرت مولانا یوسف لدھیانوی صاحب نے بھی آپ کو چاروں سلسلوں میں خلافت عنایت فرمائی آپ نے گلگت میں تدریس کی، کئی حفاظ آپ کے شاگرد ہوئے اور وہاں دعوت وتبلیغ کے کام کی بنیاد ڈالی۔ کراچی میں چڑیا گھر میں گیٹ صابری مسجد کی امامت اور خطابت کے فرائض انجام دیے اور وہاں ایک مدرسہ قائم کیا۔ موسیٰ کالونی کراچی میں تین منزلہ مسجد ومدرسہ تعمیر کیا۔ پاکستان، برما، بنگلہ دیش اور افغانستان میں مساجد و مدارس، خیراتی ہسپتال اور پینے کے پانی کا بندوبست کیا۔ اپنے علاقہ (مکڑہا شنکیاری) میں اپنی ذاتی زمین اور چودہ کمروں پر مشتمل مکان میں جامعہ عمر بن خطاب للبنات اور الفاروقی ویلفیئر ٹرسٹ قائم فرمایا۔ آپ کے دو جگر گوشے حافظ محمود الحسن اور حافظ محمد زکریا بارہا افغانستان کے جہاد میں شریک ہوئے۔ حافظ محمود الحسن صاحب نے مزار شریف کے معرکہ میں جام شہادت نوش کیا جبکہ حافظ زکریا کی بائیں آنکھ اور بایاں بازو شہید ہوئے۔ بندہ تعزیت کے لیے حاضر ہوا، حضرت مکمل پرسکون تھے اور جذبات تشکر سے معمور تھے ۔معرکہ کے تفصیلی حالات سناتے ہوئے انھوں نے فرمایا کہ ہر دو صاحبزادگان اپنی خوشی سے مجاہدین کے لیے کپڑے، دیگر سامان اور نقد پیسے لے کر گئے۔ سب کچھ وہاں تقسیم کرنے کے بعد خود صف اول کے معرکوں میں شریک ہوئے۔ شہادت والی رات دشمن کے ایک مضبوط مورچے کو تباہ کیا جس کے نتیجے میں دشمن نے بمباری کی۔ حافظ محمود حسن صاحب کا مورچہ مکمل تباہ ہوگیا اور سب ساتھی جام شہادت نوش کر گئے۔

مقام بندگی دیگر مقام عاشقی دیگر
زنوری سجدہ می خواہی زخاکی بیش ازاں خواہی

(بندگی کا مقام اور ہے لیکن عاشقی کا مقام تو کچھ اور ہی ہے۔ اے باری تعالیٰ تو فرشتوں سے تو سجدہ چاہتا ہے لیکن خاکی سے اس سے زیادہ چاہتا ہے، یعنی جان کی قربانی)

(باقی صفحہ نمبر'۶' پر)

دوسرے مورچے پر بمباری ہوئی تو حافظ زکریا صاحب کی آنکھ اور بازو شہید ہوا۔ فرمانے لگے کہ اسی رات زکریا صاحب کو جناب فخر موجودات سردار کونین صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہوئی تھی اور جو بازو شہید ہوا ہے اسی کو حضور نے پکڑتے ہوئے ارشاد فرمایا تھا کہ "یہی کامیابی کا راستہ ہے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ جناب عبدالحیٔ صاحب، حضرت کے اہل خانہ اور دیگر پسماندگان کو صبر جمیل اور اجر جزیل عطا فرمائے، اور حضرت کے درجات کو انتہائی بلند فرمائے۔